عہدِ رسالت سے قبل قیامِ امن کے اقدامات

The Steps of Peacekeeping before the Period of the Prophethood

ڈاکٹر ارم سلطانہ*

ABSTRACT

The teachings of all religions are based on peace but the Islamic principles of peace surpass others in their effectiveness. For the attainment of peace and harmony in this world, it is imperative to respect all the religions. The Prophet Muḥammad (ﷺ) was indeed a peacemaker and a mercy to all the mankind. The author of this paper feels that it is also very important to study the history of Prophet Muḥammad (ﷺ) prior to his prophethood, because, those were the years that shaped his (ﷺ) reputation and image as a peacemaker in the eyes of the people of Makkah. His early years of virtue soon followed by a lifetime of nobleness and greatness.

The incident of the placing the Black Stone, for example, is a confirmation to the said fact. It is one of the first examples in the life of the prophet (ﷺ) of mitigating conflicts and nurturing goodwill. The Holy Prophet (ﷺ) could have placed the stone by himself or asked anyone of the elders of his nation to do it, but being a peacemaker, he saw that, thatwas going to be a model to mitigate conflicts and nurture goodwill among the leaders of the tribes.

The Prophet Muḥammad (ﷺ) laid the milestone of the first, the just and the civilized human society. A commitment to peace was a way of his life. This is the quality that ought to become the cornerstone of the policy and the personality of a sound Muslim leader.

Keywords: *Peace; Milestone; Peacemaker; Brotherhood; Pious*

* لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اسلام ہی امن اور انسانیت پسند مذہب ہے۔یہ تمام انسانوں کے حقوق کی صحیح پاسداری کرتا ہے اور اس امن کی دعوت دیتا ہے جس سے مظلوموں اور ظلم وستم کے شکار معصوم لوگوں کو عدل وانصاف مل سکے، ایک پاکیزہ معاشرہ بن سکے، ایک ایسی فضا تیار ہو سکے جس میں انسانوں کے لیے جنت زار کی سرمستیاں ہوں، انسانی نسل کے ہر دائرے اور زمرے کے لوگوں میں ہم آہنگی، توازن اور آپسی معاونت کا نیک اورانسانی جذبہ پیدا ہو سکے اور ایک ایسی تہذیب کی داغ بیل ڈالی جاسکے جو بہر صورت انسانیت کی مسیحائی کا بہترین اور عمدہ نمونہ بن سکے۔اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو امن وسلامتی کا پیغمبر بنایا۔

در حقیقت نبی ﷺ کی تعلیمات کا بنیادی مقصد اور اساسی ہدف ایک ایسے معاشرے کی تشکیل ہے جہاں انسان امن وسکون اور طمانیت کے ساتھ زندگی گذار سکیں اور سچ یہ ہے کہ اس طرح کے معاشرے کی بنیاد اسلام جیسا دین رحمت ہی ڈال سکتا ہے بس یہی ایک ایسا منفرد دین اور مذہب ہے جس میں وہ تمام تر خوبیاں اور مصالح موجود ہیں جو صحیح انسانی معاشرے کی تعمیر کے ترکیبی عناصر ہوتے ہیں۔

تاریخ انسانیت میں کوئی مذہب، دین اور فکری تحریک ایسی نہیں ملتی جو دین اسلام سے زیادہ شفیق، مہربان اور عدل پسند ہو، اسلام کے امن وسلامتی کا دین ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ باتفاق المسلمین حالت جنگ میں بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو قتل کرنا جائز نہیں اور نہ ہی درخت کاٹنا جائز ہیں۔اس دین سے زیادہ امن وسلامتی کا علمبردار کون سا دین ہو سکتا ہے۔

جب ہم اسلام کے عظیم قانون امن وسلامتی کے متعلق بحث کرتے ہیں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ مذہب اسلام ہی میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ انسانیت کو گھپ اندھیروں اور عقائد واخلاق اور افکار وعساکر کی چیرہ دستیوں سے چھٹکارا دلا سکتا ہے۔

اسلام امن کا دوسرا نام ہے مسلمان دنیا میں جہاں بھی ہو گا سراپا سلامتی وامن ہو گا۔اسلام ہمیں امن اور انسانیت کا درس دیتا ہے، قرآن مجید میں ہے کہ ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل اور ایک انسان کی زندگی بچانا گویا پوری انسانیت کی زندگی بچانا ہے۔اسلام امن، محبت رواداری کا دین ہے۔الغرض اسلام میں امن وامان، انسانیت کے احترام اور اس کے حقوق کی حفاظت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔اس کی تاریخ انسانیت کے احترام ان کے حقوق کی رعایت اور انسانی اقدار کی حفاظت سے

معمور ہے۔لا اکراہ فی الدین کے تابندہ اصول کے تحت اسلام میں ہر مذہب کے پیروکاروں کو کامل داخلی خود مختاری دی گئی ہے اور انتہاپسندی کی مخالفت کی ہے۔

امن کا مفہوم:

امن کی عمومی تعریف میں کئی معنی شامل ہوتے ہیں۔ ان میں مجموعی طور پر امن کو تحفظ، بہتری، آزادی، دفاع اور فلاح کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ انفرادی طور پر امن سے مراد تشدد سے خالی ایک ایسی طرز زندگی کا تصور لیا جاتا ہے جس کی خصوصیات میں افراد کا ادب، انصاف اور عمدہ نیت مراد لی جاتی ہے۔ معاشرے میں انفرادی طور پر امن کی حالت ہر فرد پر یکساں لاگو ہوتی ہے، جبکہ مجموعی طور پر کسی بھی خطے کا پورا معاشرہ مراد لیا جاتا ہے۔

امن عربی زبان کا لفظ ہے اور اس سے ایسی حالت مراد ہے جس میں ہر انسان خوف اور خطرے سے محفوظ ہو۔ دوسرے لفظوں میں امن وہ حالت ہے جس میں نہ آپ خوف اور خطرے کا شکار ہوں اور نہ ہی دوسروں کو اس احساس میں مبتلا کر رہے ہوں۔ لہذا جب ہمیں کوئی نہ ڈرائے، ہمیں بے جا تکلیف میں مبتلا نہ کرے، ہماری چیزیں چھین کر نہ لے جائے، ہماری عزت نفس پر حملہ نہ کرے، تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم پر امن زندگی گزار رہے ہیں۔

قرآن کریم میں "امن"، "خوف "اور "دہشت" کی ضد کے معنی میں آیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَءَامَنَهُم مِّنۡ خَوۡفِۭ﴾ (۱)

(اور خوف سے بچا کر امن عطا کیا۔)

یعنی امن خوف کی ضد ہے اور اس کا مطلب ہے امن میں آجانا، مطمئن ہونا، امن کی جگہ پانا، جیسا کہ الفراھیدی لکھتا ہے کہ:

"الأَمنُ: ضدّ الخوف، والفعل منه: أمِنَ يأْمَنُ أَمْناً." (۲)

(امن خوف کی ضد ہے۔ اس سے فعل امن یأمن امنا آتا ہے۔)

اس لیے قرآن کریم انبیاء علیہم السلام اور دیگر برگزیدہ ہستوں کی پہچان یہ بتاتا ہے کہ:

﴿أَلَآ إِنَّ أَوۡلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُونَ﴾ (۳)

(سنو! جو اللہ کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔)

امام راغب اصفہانی امن کا مفہوم اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"أصل الأَمْن: طمأنينة النفس وزوال الخوف"(۴)

"اصل میں امن کے معنی نفس کے مطمئن ہونے اور خوف کے زائل ہونے کے ہیں۔"

اس کا ایک معنی امان پانے کے ساتھ امن دینا بھی ہے جیسا کہ امام الرازي نے لکھا ہے:

"أمن: الْأَمَانُ وَالْأَمَنَةُ بِمَعْنًى، وَقَدْ أَمِنَ أَمَانًاوَأَمَنَةً فَهُوَ آمِنٌ وَآمَنَهُ غَيْرُهُ مِنَ الْأَمْنِ وَ الْأَمَانِ" (۵)

"امان اور امنۃ کا ایک ہی معنی ہے یعنی امن پانا اور دوسروں کو امن دینا۔"

ابن منظور لکھتے ہیں:

"الأَمْنُ ضدُّ الخوف"(۶)

"امن خوف کی ضد ہے۔"

انگریزی میں امن کے لیے لفظ Peace استعمال ہوتا ہے جس کے بارے میں انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا لکھتا ہے:

> "Freedom from war and hostilities a state or relation of concord and amity in international law. That condition of a nation not at war with another."(۷)

"جنگ اور جنگی کاروائیوں سے آزادی، بین الاقوامی تعلقات میں اتحاد اور دوستانہ روابط اور کسی قوم کی وہ حالت جس میں وہ کسی دوسری قوم سے حالت جنگ میں نہ ہو۔"

مذکورہ بالا اقوال کی روشنی میں امن کا مفہوم کچھ یوں متعین کیا جاسکتا ہے کہ امن دنیاوی زندگی کے تمام پہلوؤں میں چین و سکون، اطمینان، صلح و آشتی کو قائم رکھنا اور ہر برائی کی اصلاح کرنا ہے۔ دراصل امن، آسودگی قلب، داخلی و خارجی سکون، حقوق و فرائض کی ادائیگی، برداشت، مذہبی ہم آہنگی، رواداری، انسانی حقوق کی حفاظت کے ساتھ ساتھ عدل اجتماعی، مساوات کو قائم رکھنے کا نام ہے۔

امن کا تصور کسی بھی معاشرے میں تشدد کی غیر موجودگی یا پھر صحت مند، مثبت بین الاقوامی یا بین انسانی تعلقات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کیفیت میں معاشرے کے تمام افراد کو سماجی، معاشی، مساوات، اور سیاسی حقوق و تحفظ حاصل ہوتے ہیں۔

امن کی ضرورت و اہمیت:

امن عالم روئے زمین پر ہر جاندار کی بنیادی ضرورت ہے۔ اس دنیا میں کون ایسا ہو گا جو امن اور سکون نہ چاہتا ہو۔ امن کا آرزو مند ہونا انسان کی فطرت میں داخل ہے، اس لیے ہر وجود امن اور سلامتی چاہتا ہے۔ اپنے جسم و جان اور عزت و آبرو کی سلامتی سب کو عزیز ہے۔ کیونکہ امن و سلامتی معاشرے، اقوام اور ملکوں کی ترقی کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ امن ہی شرفِ انسانیت کے لیے ضروری ہے، جس سے تارِ زندگی بندھا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام امن کا سب سے بڑا علم بردار ہے۔ ایمان، اسلام اور سلام مُلاقات کے الفاظ میں امن و سلامتی کا ہونا ہی سب سے پہلے اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اس مذہب کے خمیر میں ہی "امن و سلامتی" شامل ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ: حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ کس شخص کا اسلام سب سے بہتر ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

((مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ)) (۸)

"جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔"

حقیقت بھی یہی ہے کہ ایک سچا مسلمان ہمیشہ تقویٰ کے مقام پر رہتا ہے۔ اپنے رب کے خوف سے پناہ مانگتا ہے اسی بنا پر نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے خوف سے امن مانگا کرتے تھے۔

((اللَّهُمَّ آمِن رَوْعَاتِي)) (۹)

"اے اللہ مجھے خوف و گھبراہٹ سے امن دے۔"

اللہ تبارک و تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں فرماتا کہ لوگ زمین میں فتنہ و فساد برپا کریں۔ عالمی امن و سلامتی ہی اسلام کا بنیادی پیغام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے تمام رسولوں نے پوری دنیا کو یہی درس دیا اور اللہ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفی ﷺ نے پیغام امن و سلامتی کو سب سے زیادہ کامل طور پر بندوں تک پہنچایا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے دنیا کے لوگوں کو اللہ کا یہ پیغام سنایا:

﴿وَٱلَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهۡدَ ٱللَّهِ مِنۢ بَعۡدِ مِيثَٰقِهِۦ وَيَقۡطَعُونَ مَآ أَمَرَ ٱللَّهُ بِهِۦٓ أَن يُوصَلَ وَيُفۡسِدُونَ فِي ٱلۡأَرۡضِ أُوْلَٰٓئِكَ لَهُمُ ٱللَّعۡنَةُ وَلَهُمۡ سُوٓءُ ٱلدَّارِ﴾ (۱۰)

(جو لوگ اللہ سے کئے ہوئے اپنے وعدے کو (کہ وہ اس کو ایک مانیں گے اس کا کسی کو شریک نہیں بنائیں گے) توڑتے ہیں اور جن رشتوں کو اللہ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے ، انہیں کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں، ایسے لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لئے آخرت کا گھر بہت برا ہے۔)

﴿إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُصۡلِحُ عَمَلَ ٱلۡمُفۡسِدِينَ﴾ (۱۱)

(اللہ فسادیوں کے عمل کو درست نہیں فرماتا۔)

اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ نے اپنے رب کا یہ فرمان بھی سنایا کہ:

﴿وَلَا تَبۡغِ ٱلۡفَسَادَ فِي ٱلۡأَرۡضِۖ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلۡمُفۡسِدِينَ﴾ (۱۲)

(زمین میں فساد نہ چاہنا، یاد رکھو! اللہ فسادیوں کو پسند نہیں فرماتا۔)

امن کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ امن انبیاء علیہم السلام کی دعا ہے اور اللہتعالیٰ کے نزدیک اس قدر مقدس اور اہم ہے کہ خود خالق کائنات امن کے شہر کی قسم کھاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وَهَٰذَا ٱلۡبَلَدِ ٱلۡأَمِينِ﴾ (۱۳)

(قسم ہے اس شہر (مکہ) کی جو امن والا ہے۔)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفت "مھمین" بیان کی جاتی ہے جس کے معنی عموماً پناہ دینے والے کے لیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ مخلوق کے معاملات پر نگران اور محافظ اور اسی طرح خوف سے امن دینے والے کے بھی ہیں۔ یہ نشانات ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کی خاطر دکھاتا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ صفت مھیمن کے تحت خوف سے امن دیتا ہے اپنے بندوں کے معاملات پر نگران اور محافظ ہے اور جو اس کی طرف آئے وہ اسے پناہ دیتا ہے۔ پس ہمیں ہر وقت اس کی پناہ تلاش کرنی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کے صفات میں سے ایک صفت المُؤمن بھی ہے، لغت کے ماہرین نے لکھا ہے :

"الْمُؤمن فِي صفة الله الَّذِي آمن الخَلْق من ظُلْمِه وَقيل الْمُؤمن الَّذِي آمن أولياءَه عذابَه" (۱۴)

"المؤمن اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہیں ۔وہ اللہ جس کے ذات سے امن وابستہ ہے، مخلوق اس کے ظلم سے امن میں ہے اور وہ اپنے دوستوں کو اپنے عذاب سے بچائے گا۔"

اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر بننے والے سب سے پہلے انبیاء ہوتے ہیں اور اس سے فیض اٹھانے والے بھی سب سے پہلے انبیاء ہی ہوتے ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ کی ہر صفت غیر معمولی طور پر حرکت میں آتے ہوئے ان کی سچائی ظاہر کرتی ہے تاکہ دنیا کو پتہ لگ سکے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

اعلانِ نبوّت سے قبل کے حالات:

آپ ﷺ کی پیدائش سے قبل دنیا بدامنی اور فساد کا شکار تھی۔ آپ ﷺ جس وقت اس دنیا میں تشریف لائے تو دنیا میں معاشرتی، اخلاقی، سیاسی، معاشی فسادات عروج پر تھے۔ انتہائی ظلمت و گمراہی کا دور تھا جس میں تقریباً پورا عالم انسانیت مشرق سے لے کر مغرب تک اپنے خالق سے اپنا رشتہ یکسر توڑ چکا تھا۔ انسان رب اور روزہ جزا و سزا کو بھلا کر دنیا کے عام جانوروں کی طرح صرف پیٹ بھرنے اور چند روزہ راحت و سکون کو ہی اپنی معراج کمال سمجھ بیٹھا تھا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اسی صورتحال کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

﴿ وَرَضُوا۟ بِٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَٱطْمَأَنُّوا۟ بِهَا ﴾ (۱۵)

(اور وہ دنیاوی زندگی پر راضی ہوگئے اور اس میں جی لگا بیٹھے ہیں۔)

الغرض نبی کریم ﷺ کی بعثت کا زمانہ ایسا تھا کہ انسان اپنی اصل حیثیت کو بھلا چکا تھا۔ ایسے وقت میں رب کائنات نے انسانیت کی اصلاح کے لیے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری اہل عالم کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی نعمت اور احسان ہے۔

بچپن:

رسول اللہ ﷺ کا بچپن نہایت پاکیزہ اور صاف ستھرا ہے۔ آپ ﷺ اپنی والدہ کی گود سے جب اتر کر پاؤں پاؤں چلنے لگے، یہ وہ عمر ہوتی ہے جب بچے طرح طرح کی شرارتیں اور ضدیں کرتے ہیں، مگر یہ بچہ تو اپنے ہم عمروں سے بالکل ہی الگ تھا۔ آپ ﷺ اپنے دادا کے لاڈلے پوتے تھے۔ لاڈ پیار

بچوں کو ضدی اور شرارتی بنا دیتا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کبھی بے ہودہ کھیل کود اور تماشوں میں حصہ نہیں لیتے تھے اور میلوں ٹھیلوں سے دور رہتے تھے۔ آپ ﷺ کی کمسنی بھی ان عیبوں سے پاک تھی۔

بلوغت:

بچپن لڑکپن میں ڈھلا اور آپ ﷺ کے خوبصورت نئے پہلو لوگوں کے سامنے آنے لگے۔ اہل مکہ اس خوبصورت اور ذہین بچے کو دیکھتے اور حیرت کرتے کہ ایک ایسے معاشرے میں جہاں ذرا ذرا سی بات پر تلواریں نکل آتی ہیں اور ایک دوسرے کا خون پانی کی طرح بہا دیا جاتا ہے، اور جہاں طاقتور کمزور کو دبانا اپنا حق سمجھتا ہے، وہاں کمسن بچہ دوسروں کے کام آتا ہے، کمزوروں کا بوجھ اٹھاتا اور روتے ہوؤں کے آنسو اپنے دامن سے پونچھتا دکھائی دیتا ہے۔

جوانی:

آپ ﷺ کی جوانی آپ ﷺ کے بچپن کی طرح نہایت پاکیزہ اور صاف ستھری تھی۔ جیسا کہ ابن ہشام بیان کرتے ہیں کہ:

"محمد ﷺ يشب على مكارم الأخلاق فشب رسول الله ﷺ والله تعالى يكلؤه ويحفظه ويحوطه من أقذار الجاهلية لما يريد به من كرامته ورسالته حتى بلغ أن كان رجلا أفضل قومه مروءة وأحسنهم خلقا وأكرمهم حسبا وأحسنهم جوارا وأعظمهم حلما وأصدقهم حديثا وأعظمهم أمانة وأبعدهم من الفحش والأخلاق التي تدنس الرجال تنزها وتكرما حتى ما اسمه في قومه إلا الأمين لما جمع الله فيه من الأمور الصالحة" (١٦)

"رسول اللہ ﷺ جوان ہوئے اور اللہ تعالیٰ ہر ایک شر و فساد سے آپ ﷺ کی حفاظت کرتا تھا اور جاہلیت کی ہر ایک ناپاکی سے آپ ﷺ کو پاک اور مطہر رکھتا تھا۔ چنانچہ جب آپ ﷺ بالغ ہوئے تو نہایت بامروت، صاحب اخلاق، رحیم و کریم، راست گو، امین باحلم ہوئے اور فحش وغیرہ اخلاق ذمیہ سے دور تھے۔"

آپ ﷺ نے مکہ جیسے شہر میں جوانی کی پاک و پاکیزہ زندگی بسر کی اور کسی برائی میں ملوث نہیں ہوئے جب کہ ان دنوں مکہ شہر برائیوں کا مرکز تھا۔ **آپ ﷺ کی صداقت و امانت کے باعث مکہ**

کے لوگ آپ ﷺ کو اعلان نبوت سے قبل ہی صادق اور امین کہہ کر پکارتے تھے۔ غریبوں اور بے کسوں کی مدد کرنا اور مشکل میں دوسروں کے کام آنا بچپن ہی سے آپ ﷺ کا شیوہ تھا۔ آپ ﷺ تمام لوگوں سے حسن سلوک سے پیش آتے تھے، غریبوں کا بوجھ اٹھاتے اور مہمانوں کی خوب مہمان نوازی کرتے اور کبھی وعدہ خلافی نہ کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا وجود ان تمام خوبیوں اور کمالات کا جامع تھا جو متفرق طور پر لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔

آپ ﷺ نے اپنی عمدہ عقل اور روشن فطرت سے لوگوں کے معاملات اور جماعتوں کے احوال کا مطالعہ کیا اور وہ جن بیہودہ باتوں میں مشغول تھے ان سے بیزاری کا اظہار کیا۔ جب قوم میں برائیاں عام تھیں اس وقت بھی آپ ﷺ نے اپنے آپ کو ہر قسم کی برائیوں سے دور رکھا۔ آپ ﷺ نے پوری بصیرت کے ساتھ لوگوں کے درمیان عملی زندگی کا وقت گزارا۔ جو کام اچھا ہوتا آپ ﷺ اس میں شرکت فرماتے اور ہر برے کام سے دور رہتے تھے۔ آپ ﷺ نے نہ تو کبھی آستانوں کا ذبیحہ کھایا اور نہ ہی غیر اللہ کے لیے منعقد کئے گئے تہواروں میں شرکت کی۔ آپ ﷺ کو بچپن ہی سے خود ساختہ معبودوں سے نفرت تھی اور آپ ﷺ خود ساختہ معبودوں کی قسم کھانا کبھی گوارا نہیں کرتے تھے۔

نبوت سے قبل آپ ﷺ کی زندگی کے تمام مراحل بچپن، بلوغت اور جوانی واضح طور پر پرامن شخصیت کا نمونہ تھے۔ جاہلیت کی آلودگی آپ ﷺ کی پاکیزہ زندگی سے کوسوں دور تھی۔ اس دور میں بھی آپ ﷺ صادق اور امین کہا کر پکارے جاتے تھے اور آپ ﷺ کی امانتداری سے ہر کوئی واقف تھا، یہی وجہ تھی کہ اس زمانے میں اگر بالفرض کسی کو سفر پر جانا ہوتا اور اس نے اپنی اہلیہ کو کسی کی حفظ و امان میں دینا ہوتا تو وہ اس کے لیے آپ ﷺ کا انتخاب کر سکتا تھا، کیونکہ اسے یقین ہوتا کہ آپ ﷺ اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں گے۔ (۱۷)

مولانا الطاف حسین حالی' آپ ﷺ کی قبل از نبوت زندگی کا مطالعہ کر کے جس نتیجے پر پہنچے، اس میں بھی آپ ﷺ کی محبت، شفقت اور امن پسندی نمایاں ہیں۔

خطاکار سے درگزر کرنے والا بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
فاسد کا زیر و زبر کرنے والا قبائل کو شیر و شکر کرنے والا (۱۸)

امن کے لیے اقدامات:

قیام امن کے لیے کئے گئے نبویا قدامات میں سے اہم اقدام مذہبی منافرت کا خاتمہ اور مذہبی رواداری کا فروغ تھا۔ کیونکہ ظہور اسلام کے وقت امن وامان کو ختم کرنے والے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا۔ ظہور اسلام کے وقت روئے زمین کے جس جس حصے پر ذریت آدم متمکن تھی وہاں وہاں فساد اور انتشار اپنے عروج پر تھا۔ تمام معاشرتی ادارے شکست وریخت کا شکار ہو چکے تھے۔ خونریزی، اخلاقی تنز لی، اخلاقی معائب کی لپیٹ میں پورا معاشرہ آچکا تھا۔ معاشرے کی اسی حالت کی جانب قرآن مجید میں ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

﴿ ظَهَرَ ٱلْفَسَادُ فِي ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي ٱلنَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ ٱلَّذِي عَمِلُوا۟ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴾[19]

(خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے تاکہ مزہ چکھائے ان کو ان کے بعض اعمال کا، شاید کہ وہ باز آئیں۔)

معاشرے کو امن و سکون سے آراستہ کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ قیام امن کی طرف بھرپور توجہ دی۔ کیونکہ اگر معاشرہ میں امن وسکون ہو گا تو تبھی اس سے معاشرہ اعلیٰ اخلاقی محاسن سے مزین ہو گا اور ترقی کی راہ پر گامزن ہو گا۔ اس سے فلاح و بہبود کے وہ سرچشمے پھوٹیں گے کہ جس سے ہر کس وناکس فیض یاب ہو گا۔

نبی کریم ﷺ نے امن کے لیے جو اقدامات کئے ان میں سے اہم کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

حرب فجار:

ملک عرب کی عام اخلاقی ذہنیت قبائلی عصبیت سے عبارت تھی، وہاں کے رہنے والے غلط یا صحیح ہر معاملہ میں اپنے قبیلہ و خاندان کی حمایت و نصرت اور اس کے لیے اپنی پوری قوت صرف کرنے کو اعلیٰ اخلاقی قدر سمجھتے تھے۔ ایسے ماحول میں سیرت نبوی کے قبل از بعثت مکی دور کا ایک اہم واقعہ حرب فجار ہے۔ یہ معرکہ عربوں کی روایتی عصبیت کا مظہر تھا، آنحضور ﷺ کو بھی خاندانی مروت اور صلہ رحمی کے جذبہ کی بنا پر اس جنگ میں شریک ہونا پڑا، سیرت نگاروں کی تصریح کے مطابق آپ ﷺ نے اپنے

چچاؤں کے اصرار پر اس جنگ میں حصہ لیا اور صرف اس قدر کہ آپ ﷺ نے اپنے چچاؤں کا محض دفاع کیا۔

حلف الفضول:

ملک عرب کی عام اخلاقی ذہنیت لوٹ مار، قتل وغارت گری اور قبائلی عصبیت سے عبارت تھی، وہاں کے رہنے والے غلط یا صحیح ہر معاملہ میں اپنے قبیلہ و خاندان کی حمایت و نصرت اور اس کے لیے اپنی پوری قوت صرف کرنے کو اعلیٰ اخلاقی قدر سمجھتے تھے۔ ایسے ماحول میں سیرت نبوی کے قبل از بعثت مکی دور کا ایک اہم واقعہ حلف الفضول کا قیام اور اس اتحاد میں آنحضرت ﷺ کی بنفس نفیس شرکت کا ہے، عام طور پر سیرت نگاروں نے اس مہتم بالشان اتحاد کا ذکر سرسری طور پر کیا ہے؛ حالاں کہ یہ معاہدہ ملک عرب بالخصوص مکہ مکرمہ کے اس دور کی روایتی معاشرتی زندگی میں انقلاب کا نقطۂ آغاز تھا۔

پیغمبر امن ﷺ عین عہد شباب میں ہیں تو امن وسکون کا پھریرا لہراتے ہیں۔ ظلم وستم کی چکی میں پسنے والے مظلوم و مقہور لوگوں کے لیے پہلا تاریخی منشور لانے میں محنت و کوشش کرتے ہیں۔ یہ پہلا تاریخی منشور "معاہدہ حلف الفضول" کے نام سے کتب حدیث اور کتب سیرت و تاریخ میں ملتا ہے۔ جو سر زمین عرب بالخصوص مکہ کی ریاست میں عرب تاریخ میں پہلی مرتبہ قیام امن، بنیادی انسانی حقوق، بالخصوص مظلوموں اور بے کسوں کی دادرسی کا معاہدہ قرار پایا۔ (۲۰)

حلف الفضول سے چند ماہ پیشتر حرب فجار کا واقعہ پیش آیا، اسی دور میں آپ ﷺ کے ایک چچا زبیر بن عبد المطلب اور بعض دوسرے سرداروں نے مروجہ قبائلی تعصب سے علیحدہ ہو کر مظلوموں کی حمایت و نصرت کے لیے مکہ مکرمہ کے باشندوں کا ایک اتحادی فورم بنایا جس کو "حلف الفضول" کے نام سے جانا جاتا ہے اور جتنے بھی عہد و پیمان ہو چکے تھے ان سب میں سے "حلف الفضول" کا معاہدہ معزز تھا۔ یہ معاہدہ حرب فجار کے بعد قریش اور بنی قیس کے درمیان طے پایا۔

کتب سیرت میں "حلف الفضول" کے یہ نام رکھے جانے کے متعدد اسباب مذکور ہیں، اور سب کا حاصل یہی ہے کہ حدود مکہ میں قبائلی عصبیت سے پرے ہو کر مظلوموں کی حمایت و نصرت کا یہ ایک نیا اور انوکھا اتحاد تھا، جس سے عرب کے لوگ مانوس نہ تھے، غالباً یہی وجہ ہے کہ "حلف الفضول" کے وجہ تسمیہ کا ایک محرک یہ بھی بتایا گیا ہے کہ:

"هؤلاء الذين تحالفوا كانوا أخرجوا فضول أموالهم للأضياف وقيل لأن قريشا قالوا عن هؤلاء الذين تحالفوا لقد دخل هؤلاء في فضول من الأمر"[۲۱]

"قریش نے نامانوسیت کی بناء پر اس قسم کے اتحاد و معاہدہ کو فضول اور بے فائدہ کام سمجھا اور اسی سے یہ نام چل پڑا۔"

اسی طرح ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ: قریش کے اس معاہدہ سے بہت پہلے مکہ میں قبیلہ جرہم کے سرداروں کے درمیان بھی بالکل ایسا ہی ایک معاہدہ ہوا تھا اور چونکہ قبیلہ جرہم کے وہ لوگ جو اس معاہدہ کے محرک تھے، ان سب لوگوں کا نام "فضل" تھا یعنی فضل بن حارث، فضل بن وداعہ اور فضل بن فضالہ اس لئے اس معاہدہ کا نام "حلف الفضول" رکھ دیا گیا، یعنی ان چند آدمیوں کا معاہدہ جن کے نام "فضل" تھا۔[۲۲] اسے حلف الفضول کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جن باتوں پر یہ معاہدہ ہوا وہ تمام باتیں فضیلت والی تھیں۔

ذوالقعدۃ کے مہینہ میں قریش کے پانچ قبائل کے درمیان ایک امن معاہدہ طے پایا جسے حلف الفضول کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ پانچ قبائل یہ تھے:

۱) بنوہاشم
۲) بنومطلّب
۳) بنواسد
۴) بنوزہرہ
۵) بنوتمیم

اس معاہدہ کی وجہ یہ تھی کہ یمن کا ایک زبیدی نامی آدمی سامانِ تجارت لے کر مکہ آیا۔ عاص بن وائل نے اس سے سامان خرید لیا لیکن قیمت ادا نہ کی۔ اس آدمی نے مختلف قبائل سے مدد کی درخواست کی لیکن انہوں نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ چنانچہ اس نے ابوقبیس پہاڑ پر چڑھ کر اپنی مظلومیت کے لیے آواز بلند کی اور لوگوں سے درخواست کی کہ اس کا حق دلانے کے لیے اس کی مدد کی جائے۔ اس کی آواز سن کر زبیر بن مطلب نے لوگوں میں اصلاح کی تحریک شروع کی۔ آپ ﷺ بھی اس کے ساتھ اس مہم

میں شریک ہوگئے۔ ان تمام قبائل کے سردار قبیلہ بنو تمیم کے سردار عبداللہ بن جدعان کے گھر میں اکٹھے ہوئے اور سب نے مل کر یہ معاہدہ کیا کہ آج کے بعد مکہ میں کسی کا ظلم برداشت نہیں کیا جائے گا، ہر مظلوم کی مدد کی جائے گی اور ظالم کو سزا دی جائے گی۔ چنانچہ اس معاہدہ کے بعد عاص بن وائل سے زبیدی کا حق لے کر اس کے حوالے کیا گیا۔

حلف الفضول کے شرکاء نے جو حلف لیا وہ یہ تھا:

"لَيَكُونُنَّ يَدًا وَاحِدَةً مَعَ الْمَظْلُومِ عَلَى الظَّالِمِ حَتَّى يُؤَدَّيَ إِلَيْهِ حَقُّهُ مَا بَلَّ بَحْرٌ صُوفَةً. وَمَا رَسَّى ثَبِيرٌ وَحِرَاءُ مَكَانَهُمَا.وَعَلَى التَّأَسِّي فِي الْمَعَاشِ" (۲۳)

"اللہ کی قسم! ہم سب مل کر مظلوم کے ساتھ ایک ہاتھ بن جائیں گے جب تک کہا سے ظالم اسے اس کا حق ادا نہیں کر دیتا، اور ہمارا یہ معاہدہ اس وقت تک برقرار رہے گا جب تک سمندر گھونگوں کو بھگوتا رہے، جب تک حراء وثبیر نامی پہاڑ اپنی جگہ پر قائم ہیں نیز ہماری معیشت میں مساوات رہے گی۔"

یعنی معاہدے میں تمام قبائل نے مل کر عہد کیا کہ:

۱. ہم مظلوموں کا ساتھ دیں گے، خواہ وہ کسی قبیلے کے ہوں یہاں تک کہ ان کا حق ادا کیا جائے۔
۲. کسی ظالم یا غاصب کو مکہ میں نہیں رہنے دیں گے۔
۳. ملک سے بدامنی دور کریں گے اور ہر طرح کا امن وامان قائم کریں گے۔
۴. مسافروں کی حفاظت کریں گے اور غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے۔

اس وقت کے ماحول میں "حلف الفضول" کی اصطلاح کا ایسا اثر تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت مسعود بن مخرمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمن بن عثمان رضی اللہ عنہ اس لفظ کو سنتے ہی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی حمایت ونصرت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی تائید میں جو جملے کہے اس سے بھی حلف الفضول کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، انہوں نے فرمایا:

"إِنَّ الْفُضُولَ تَعَاقَدُوا وَتَحَالَفُوا ... أَلَّا يُقِيمَ بِبَطْنِ مَكَّةَ ظَالِمٌ أَمْرٌ عَلَيْهِ تَعَاقَدُوا وَتَوَاثَقُوا...فَالْجَارُ وَالْمُعْتَرُّ فِيهِمْ سَالِمٌ" (۲۴)

"اور میں بھی قسم کھاتا ہوں کہ اگر انہوں نے "حلف الفضول" کا واسطہ دیا تو میں بھی اپنی تلوار اٹھاؤں گا اور ان کا ساتھ دوں گا، یا تو ان کا حق ملے گا یا ہم دونوں مر جائیں گے۔"

بعض روایتوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے ابتدائے اسلام میں حق و انصاف کی دہائی کے لیے حلف الفضول کی اصطلاح استعمال کی جاتی تھی؛ چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر امیر مدینہ ولید بن عتبہ کے ساتھ اپنے ایک قضیہ میں ان الفاظ سے عوامی مدد طلب کی

"أقسم بالله لتنصفني أو لآخذن سيفي ثم لأقومن في مسجد رسول الله ثم لأدعون بحلف الفضول"(۲۵)

"تم میرے ساتھ حق و انصاف کا معاملہ کرو۔ ورنہ میں اپنی تلوار لوں گا اور مسجدِ رسول میں کھڑے ہو کر حلف الفضول کی دہائی دوں گا۔"

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"لقد شهدت مع عمومتي حلفا في دار عبد الله بن جدعان ما أحب أن لي به حمر النعيم ولو دعيت به في الإسلام لأجبت" (۲۶)

"اس معاہدے کے مقابلے میں مجھ کو سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیے جاتے تو میں نہ لیتا اور اگر اب بھی شرکت کے لیے بلایا جائے تو میں اسے قبول کروں گا۔"

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حلف الفضول کی کتنی اہمیت تھی۔ جبکہ وہ قبائلی دور تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معاہدہ کس قدر پسند تھا کہ اسلام کے دور میں بھی اس میں شرکت کا فخر سے ذکر فرمایا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ امن و امان کا معاہدہ تھا۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بہت پسند فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اس معاہدے کی اتنی اہمیت تھی کہ زمانۂ رسالت میں بھی اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امن و امان کس قدر پسند تھا جبکہ وہ قبائلی دور تھا۔

حجر اسود کی تنصیب کا معاملہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت سے کچھ عرصہ قبل جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۳۵ سال ہوئی تو ایک زوردار سیلاب آیا۔ جسنے کعبے کی عمارت کو سخت نقصان پہنچایا اور بیت اللہ کی دیواریں پھٹ

گئیں۔ اسی بنا پر قریش اس کی دوبارہ تعمیر پر مجبور ہو گئے کہ بیت اللہ کا مقام و مرتبہ بر قرار رکھنے کے لیے اسے از سر نو تعمیر کریں۔ اس موقع پر انہوں نے یہ متفقہ فیصلہ کیا کہ خانہ کعبہ کی تعمیر میں صرف حلال مال ہی استعمال کریں گے۔ زانیہ کی اجرت، سود کی آمدنی اور کسی سے ناحق لیا ہوا مال استعمال نہیں کریں گے۔ جب حلال مال اکٹھا کیا گیا تو وہ مال اتنا نہیں تھا کہ جس سے بیت اللہ کو اس کی اصلبنیادوں پر از سر نو تعمیر کیا جاسکے لہٰذا انہوں نے مال کی کمی کی وجہ سے شمال کی طرف سے کچھ حصّہ کو تعمیر میں شامل نہیں کیا بلکہ اس پر ایک چھوٹی سی دیوار اٹھا کر چھوڑ دی۔ یہی ٹکڑا حطیم اور حجر کہلاتا ہے۔

تمام قریشی قبائل نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے لیے اپنے اپنے طور پر الگ الگ پتھر جمع کئے پھر کعبہ کی تعمیر شروع ہوئی۔ جب خانہ کعبہ کی عمارت حجر اسود تک بلند ہو چکی تو حجر اسود کو اس کی جگہ پر نصب کرنے کے بارے میں قریش کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ ہر قبیلہ کے سردار نے چاہا کہ حجر اسود کو نصب کرنے کا شرف اسے حاصل ہو حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے سے دور ہو گئے اور لڑائی کے لیے تیار ہو گئے یہ جھگڑا پانچ دن تک چلتا رہا اور اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ قریب تھا کہ حرم میں خون خرابہ ہو جاتا۔ کہ وہ سب مسجد حرام میں جمع ہوئے اور باہمی مشورہ شروع کیا تا کہ حق و انصاف سے فیصلہ ہو سکے۔ بعض مورخین کے مطابق ابو اُمیہ بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم نے جو کہ اس وقت قریش میں سب سے بزرگ شخص تھے یہ تجویز پیش کی کہ:

"اجْعَلُوا بَيْنَكُمْ حَكَمًا أَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ مِنْ بَابِ الْمَسْجِدِ يَقْضِي بَيْنَكُمْ" (۲۷)

"اس اختلاف کو طے کرنے کے لیے تم اس شخص کو فیصل مان لو جو کل صبح سب سے پہلے مسجد میں داخل ہو۔"

سب لوگوں نے یہ تجویز منظور کر لی۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی کہ سب سے پہلے آپ ﷺ مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ لوگ آپ ﷺ کو دیکھتے ہی پکار اُٹھے۔

"هذا الأمين رضينا هذا محمد" (۲۸)

"یہ امین محمد ہیں، ہم ان سے راضی ہیں۔"

آپ ﷺ کو معاملہ کی تفصیل بتائی گئی تو آپ ﷺ نے ایک چادر منگوائی جس میں اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو رکھا اور تمام قبائل کے سرداروں سے کہا:

"لِتَأْخُذَ كُلُّ قَبِيلَةٍ بِنَاحِيَةٍ مِنْ الثوْب، ثُمَّ ارْفَعُوهُ جَمِيعًا"، فَفَعَلُوا: حَتَّى إِذَا بَلَغُوا بِهِ مَوْضِعَهُ، وَضَعَهُ هو بيده، ثم بنى عليه" (۲۹)

"تم لوگ اس چادر کو کناروں سے پکڑ کر اسے حجر اسود کے مقام تک لے چلو۔ جب وہ وہاں لے گئے تو آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر اس کی مقررہ جگہ پر نصب فرمادیا۔"

یہ اتنا عمدہ فیصلہ تھا کہ جس پر تمام لوگ راضی ہو گئے۔ پس حضور ﷺ نے جا کر وہی حجر اسود بنفس نفیس بیت اللہ کے کونے میں نصب کر دیا اور اس پر سب کا اختلاف رفع ہو گیا اور مدت کا جھگڑا ایک منٹ میں ختم ہو گیا۔

آپ ﷺ کی راست بازی اور امانت و دیانتداری کی بدولت خالق کائنات نے آپ ﷺ کو اس قدر مقبولِ خلائق بنادیا اور عقلِ سلیم اور بے مثال دانائی کا ایسا عظیم جوہر عطا فرمادیا کہ کم عمری ہی میں آپ ﷺ نے عرب کے بڑے بڑے سرداروں کے جھگڑوں کا ایسا لاجواب فیصلہ فرمادیا کہ بڑے بڑے دانشوروں اور سرداروں نے اس فیصلہ کی عظمت کے آگے سر جھکا دیا، اور سب نے بالاتفاق آپ ﷺ کو اپنا حکم اور سردارِ اعظم تسلیم کر لیا۔

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نقطہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلادیا چند اشاروں میں

اسلامی روایات کے مطابق جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت اسمعیل علیہ السلام خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے۔ تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے یہ پتھر جنت سے لا کر دیا جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے دیوار کعبہ میں نصب کیا۔ حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو فرماتے سنا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

((إِنَّ الرُّكْنَ، وَالمَقَامَ يَاقُوتَتَانِ مِنْ يَاقُوتِ الجَنَّةِ، طَمَسَ اللَّهُ نُورَهُمَا، وَلَوْ لَمْ يَطْمِسْ نُورَهُمَا لَأَضَاءَتَا مَا بَيْنَ المَشْرِقِ وَالمَغْرِبِ)) (۳۰)

"حجر اسود اور مقام ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کا نور اٹھالیا ہے، اگر ان کا نور باقی رہتا تو اس میں شک نہیں کہ مشرق و مغرب کے درمیان ساری چیزوں کو روشن کر دیتا۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((يَأْتِي هَذَا الْحَجَرُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَهُ عَيْنَانِ يُبْصِرُ بِهِمَا،وَلِسَانٌ يَنْطِقُ بِهِ، يَشْهَدُ لِمَنِ اسْتَلَمَهُ بِحَقٍّ)) (۳۱)

"قیامت کے دن یہ حجر اسود اس طرح آئے گا کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے یہ دیکھتا ہو گا اور ایک زبان ہو گی جس سے یہ بولتا ہو گا اور اس شخص کے حق میں گواہی دے گا جس نے اسے حق کے ساتھ بوسہ دیا ہو گا۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((الْحَجَرُ الْأَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَكَانَ أَشَدَّ بَيَاضًا مِنَ الثَّلْجِ، حَتَّى سَوَّدَتْهُ خَطَايَا أَهْلِ الشِّرْكِ)) (۳۲)

"حجر اسود جنت سے آیا ہے، یہ پتھر پہلے برف سے بھی زیادہ سفید تھا، مشرکین کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا۔"

دکھی انسانیت کے لیے امن کی تلاش:

زمانہ جاہلیت جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غار حراء میں سب سے الگ تھلگ ہو کر قیام کرتے اور افق میں اپنی نظریں گاڑھے جاہلیت کے اندھیرے کے چھٹنے کا انتظار کرتے اور کئی کئی گھنٹے اپنے رب کے سامنے آہ و زاری اور انسانیت کی نجات کے لیے دعائیں مانگنے میں گزارتے۔ بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار حراء میں کئی کئی دن قیام کرتے اور گھر واپس نہ جاتے۔ قیام کے دوران تخلیق کائنات پر غور و فکر کرتے تھے وہیں دکھی انسانیت کی نجات کے بارے بھی غور و فکر کرتے۔ یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیشتر وقت مناظر قدرت کے مشاہدہ اور کائنات فطرت کے مطالعہ میں صرف ہوتا تھا۔ دن رات خالقِ کائنات کی ذات و صفات کے تصور میں مستغرق اور اپنی قوم کے بگڑے ہوئے حالات کے سدھار اور اس کی تدبیروں کے سوچ بچار میں مصروف رہنے لگے۔

خلاصۂ کلام:

پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت طیبہ کا غیر جانب دارانہ مطالعہ کرنے والا ہر فرد یہ ماننے اور کہنے پہ مجبور ہو گا کہ پیغمبر اسلام سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ سے بڑا امن عالم کا داعی دنیا میں پیدا نہیں ہوا۔

دنیا کو ایسا عظیم پیغام پہنچانے والے سے بڑا امن و امان کا پیغامبر کون ہو سکتا ہے؟ دشمنوں کے پتھروں کے جواب میں اپنے لبوں سے دعا کے پھول برسانے والا، دنیا کا سب سے بڑا داعی امن نہیں تو کون ہے؟ جس نے تیرہ سال مکہ کی گلیوں میں دشمنوں کی بد زبانیاں سہیں، اذیتیں برداشت کیں، ظلم پر ظلم سہے، سوشل بائیکاٹ گوارا کیا اور جب انہیں دشمنوں پر اُسے غلبہ و اختیار حاصل ہوا تو بلا تامل بغیر انتقام کے انہیں آزادی کا پروانہ عطا کر دیا۔ اگر وہ امن عالم کا داعی اعظم نہیں تو پھر کون ہے؟

پیغمبر محسنِ انسانیت ﷺ کے شخصی اور روحانی کمالات سے پوری دنیا آگاہ ہے۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ واقعی "پیغمبر امن و سلامتی" ہیں۔ حالانکہ رحمۃ للعالمین کا تاج کسی اور نے نہیں خود خالقِ ارض و سماء نے انہیں عطا کر رکھا ہے۔ یہ مقامِ غور اور لمحۂ فکریہ ہے کہ اتنا طویل سفر طے کرنے کے بعد آج ہم آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا وہ پہلو زیر بحث لانے پر مجبور ہیں جس سے کفار مکہ بعثت سے پہلے بھی متعارف تھے، یعنی صادق اور امین۔

پیغمبر انسانیت، رسول رحمت ﷺ سب سے بڑا انقلاب یہ لائے کہ انہوں نے صدیوں سے متحارب قوم کو بھائی بھائی بنا دیا۔ قرآن نے اس کا اعلان یوں کیا:

﴿ وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ ٱلنَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا ۗ ﴾ (۳۳)

(تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، اللہ نے تم کو اس سے بچالیا۔)

آج کے انسان میں خود غرضی، مفاد پرستی، ایک جزو زندگی کی حیثیت اختیار کر چکی ہے، وہ اپنے مفاد کیلئے اپنی قوم بلکہ پوری ملت کو داؤ پر لگانے سے گریز نہیں کرتا، باہمی محبت کے رشتوں نے سوداگری اور خود پرستی کا روپ دھار لیا ہے۔ احترام آدمیت عنقا ہو چکا ہے۔ اخلاقی قدریں، قصہ پارینہ بن گئی ہیں۔ خود فروشی اور خود پرستی اس کا شعار ہو گئی ہے، قومی غیرت و حمیت کا جنازہ نکل گیا ہے۔ اخوت و مروّت مفقود ہو چکی ہے۔ انسان کی تکمیل خدا ناشناس، آئمہ کفر و ضلالت کے ہاتھ میں ہے، فکری آوارگی اور عملی انارکی نے دنیا کو جہنم بنا رکھا ہے۔

جبکہ قیام امن کا تقاضا یہی ہے کہ ہمارے دل ایک دوسرے سے جڑے ہوں اور ایک دوسرے کے لیے کینہ اور نفرت کے جذبات نہ ہوں۔ امن کا قیام تمام بنی انسان کے تحفظ کا ضامن ہے اور انسانیت کو قدر مشترک قرار دے کر اس پر متحد ہونے کی تاکید کرتا ہے۔ اور وسیع نظر و فکر کے ذریعے انسانیت کے تحفظ وبقا کے اقدامات کرتا ہے، انہیں رنگ و نسل، زبان اور علاقائیت کی جکڑ بندیوں سے آزاد کرتا ہے۔ تاکہ وہ ان محدود دیتوں سے نکل کر انسانیت کے وسیع سائبان کے نیچے سایہ افگن ہو اور کائنات امن وسلامتی کا گہوارہ بن جائے، لیکن یہ سب کچھ اسی وقت ممکن ہے جب سوچ اور فکر وسیع اور آفاقی ہو گی، اور یہی قیام امن کی خصوصیت ہے۔ جس کی آج اشد ضرورت ہے۔ امن ہی ہے جس نے انسانیت کے درجہ کو بلند کیا اور قدوسیوں کے بجائے استخلاف ارض کیلئے انسان کو منتخب کیا اور اسے مسجود ملائکہ بنا کر عزت وشرف سے نوازا اور کائنات کی تمام مخلوقات سے اسے برتر بنایا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں قرآن مجید باغور ودقت سے مطالعہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے جیسا ہمارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ہمارے سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم کیا کرتے تھے۔ آمین

وأسال الله تعالى القبول، إنه تعالى نعم المولى ونعم النصير، وهو حسبي ونعم الوكيل، وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين.

حواشی وحوالہ جات

۱) سورۃ القرش:۱۰۶/۴

۲) أبو عبد الرحمن الخلیل بن احمد الفراھیدی، کتاب العین، مؤسسۃ دار الہجرۃ، الطبعۃ الثانیۃ: ۱۴۰۹ھ، ص:۸/۳۸۸

۳) سورۃ یونس:۱۰/۶۲

۴) راغب اصفہانی، الحسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، دار القلم، دمشق، بیروت، الطبعۃ الأولی، ۱۴۱۲ھ، ص:۹۰

۵) محمد بن أبی بکر بن عبد القادر، مختار الصحاح، المکتبۃ العصریۃ، بیروت، ۱۹۹۹ء، ص:۱/۲۲

۶) ابن منظور الأفریقی، محمد بن مکرم، لسان العرب، دار صادر، بیروت، الطبعۃ الأولی، ص:۱۳/۲۱

۷) انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا ۱۷/۴۱۲۔

۸) امام بخاری، محمد بن إسماعیل أبو عبد اللہ، صحیح البخاری، دار ابن کثیر، بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۴۰۷ھ، کتاب الإیمان، باب أي الإسلام أفضل، ص:۱/۱۳

۹) ابو داؤد، سنن ابو داؤد، نور الإسلام لأبحاث القرآن والسنۃ بالإسکندریہ، س ن، رقم الحدیث:۵۰۷۴

۱۰) سورۃ الرعد:۱۳/ ۲۵

۱۱) سورۃ یونس:۱۰/ ۸۱

۱۲) سورۃ القصص:۲۸/۷۷

۱۳) سورۃ التین:۹۵/۳

۱۴) الزبیدی، محمد مرتضی الحسینی، تاج العروس، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۴، ص:۱/۱۴۷

۱۵) سورۃ یونس:۱۰/۷

۱۶) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو؛ عبد الملک بن ھشام، السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، دار الجیل، بیروت، ۱۴۱۱ھ ،ص:۱/۳۲۳

۱۷) محمد فتح اللہ گولن، محمد نور سرمدی، ہارمنی پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۱۱ء، ص:۱/۴۹

۱۸) الطاف حسین حالی، مسدس حالی، تاج کمپنی لمٹیڈ لاہور، ص:۱۵

۱۹) سورۃ الروم:۳۰/۴۱

۲۰) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو؛ محمد حمید اللہ، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، دار الاشاعت، کراچی، ۲۰۰۳ء،

ص:۶۰-۶۱

۲۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو؛ علی بن برھان الدین الحلبی، السیرۃ الحلبیۃ، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۴۰۰ھ، ص:۱ /۲۱۴

۲۲) ایضاً

۲۳) ابن کثیر، أبو الفداء إسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، دار الفکر، ۱۴۰۷ھ، ص:۲ /۲۹۲

۲۴) ایضاً

۲۵) ایضاً؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ص:۲ /۲۹۳

۲۶) ابن الأثیر، أبو الحسن علی بن أبی الکرم محمد، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۵ھ، ص:۵۷۰

۲۷) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو؛ ابن الأثیر، الکامل فی التاریخ، ص:۵۷۳؛ ابن ھشام، السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، ص:۲ /۱۹؛ قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، مرکز الحرمین الاسلامی، فصیل آباد، اکتوبر ۲۰۰۷ء، ص:۱ /۷۳

۲۸) ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ص:۲ /۳۰۳؛ ابن سید الناس، محمد بن محمد بن محمد بن أحمد، عیون الأثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر، دار القلم، بیروت، الطبعۃ الأولی، ۱۴۱۴ھ، ص:۱ /۶۲

۲۹) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، ص:۲ /۱۹

۳۰) الترمذی، أبو عیسی، محمد بن عیسی، سنن الترمذی، دار الغرب الإسلامی، بیروت، ۱۹۹۸ء، أَبْوَابُ الحَجِّ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الحَجَرِ الأَسْوَدِ، وَالرُّكْنِ، وَالمَقَامِ، حدیث:۸۷۸، ص:۲ /۲۱۸

۳۱) ابن حنبل، أبو عبد اللہ أحمد بن محمد، مسند أحمد، مؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الأولی، ۲۰۰۱ء، باب مُسْنَدُ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ المطَّلِبِ، حدیث:۲۲۱۵، ص:۴ /۹۱

۳۲) ایضاً، باب مُسْنَدُ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ المطَّلِبِ، حدیث:۳۵۳۷، ص:۵ /۴۷۲

۳۳) سورۃ ال عمران:۳ /۱۰۳

****